www.rahimia.org

شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

رحیمیہ لاہور

ماہنامہ

بانی: حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ
مسند نشین رابع خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیر اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

مجلس ادارت
سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر: محمد عباس شاد

اکتوبر 2017ء / محرم الحرام 1439ھ جلد نمبر 9، شمارہ نمبر 10 - قیمت: 20 روپے سالانہ ممبرشپ: 200 روپے - تین سالہ ممبرشپ: 500 روپے

حُسنِ ترتیب

- گمراہی اور غضبِ الٰہی کے غلط راستے سے بچنا
- ''مسلمان'' کی خصوصیت
- تصوف، تربیت اور عصر حاضر
- نفس انسانی پر اعمال کے اثرات ونتائج
- علمائے حق کی قناعت پسندی
- عام عوام
- حالیہ تشدد کی لہر؛ میانمار
- اوقات وایام کی تعیین کی حکمت
- دین اسلام میں عصری تقاضوں کی رعایت
- قومی زندگی میں اتفاق کی اہمیت
- حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ
- اسلامی بینکاری اور علمائے کرام سے دردمندانہ گزارشات
- 'ہیں پریشاں آج خود عبدالغفور'
- حضرت شاہ سعید احمدؒ کا چہرہ یاد آتا ہے
- دینی مسائل

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا **شاہ عبدالقادر** رائے پوری قدس سرہ
مسند نشین ثانی
خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

حضرت والاؒ کی خدمت میں ایک صاحب کا ذکر ہوا کہ اس نے دنیا کمانے کے زاویۂ نگاہ سے بڑی کامیاب زندگی گزار دی اور پس ماندگان کے لیے معقول سکنی، زرعی اور نقدی مہیا کر رکھی ہے، مگر سو سالہ پیرانہ سالی کے باوجود حرص، دن دونی رات چوگنی ترقی پر ہے۔ اس پر حضرت والاؒ نے فرمایا کہ:

''ان کو اِلزام نہ دو۔ انسان کا قاعدہ ہے کہ جو کام زندگی بھر کرے، بڑھاپے میں وہی خیالات گھومتے ہیں۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ:

''حرص تو بڑھاپے میں جوان ہوجاتی ہے۔'' (مشکوٰۃ المصابیح۔ حدیث نمبر 5270)

بشرطیکہ جوانی اور شروع عمر میں اس کا علاج نہ کردیا جائے۔ اَخلاق میں حرص کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس کو جوانی میں قابو نہ کرلیا جائے تو بڑھاپے میں بڑھتی ہے۔ کیوں کہ حرص کا کوئی خاتمہ نہیں ہوتا۔''

(مجلس ۸ر صفر المظفر ۱۳۶۶ھ/ 2ر جنوری 1946ء، مقام: ڈھڈیاں)

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری، ص 306، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org
رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

رقومات کی ترسیل بنام ''ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ ٹرسٹ لاہور'' اکاؤنٹ نمبر 0010030341820010 الائیڈ بینک مزنگ چونگی برانچ لاہور، برانچ کوڈ 0533

www.rahimia.org

درسِ قرآن

تفسیر: شیخ التفسیر حضرت مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

گمراہی اور غضبِ الٰہی کے غلط راستے سے بچنا

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝ (7:1)

(نہ ان لوگوں کا راستہ جن پر غضب نازل کیا گیا اور نہ ان کا جو گمراہ ہوئے)

سورتِ فاتحہ کی اس آیت میں آخری اہم اصول یہ بیان ہوا ہے کہ انسانیت دشمن علم وعمل سے انسانیت کو بچانا انسانی ترقی کے لیے ضروری ہے۔ مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں:

''انسانی زندگی تقسیم نہیں ہوسکتی۔ یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک شخص میں صرف علم ہی علم ہو اور دوسرے میں فقط عمل ہی عمل۔ عام طور پر یہی دیکھنے میں آتا ہے کہ علم اور عمل ایک نہ ایک حد تک ہر ایک انسان میں پائے جاتے ہیں۔ جس شخص نے اپنا علم تو بڑھا لیا اور عملی قوتوں کو ترقی نہ دی وہ ''مغضوب علیھم'' ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو حق کو پہچانتے ہیں۔ اور انھیں یہ بھی معلوم ہے کہ صراطِ مستقیم کیا ہے اور اس کے تقاضے کیا ہیں۔ اس کے باوجود وہ عمل کے لیے نہیں اٹھتے۔ رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں ''مغضوب علیھم'' کی مثال یہودیوں سے دی جاتی تھی۔ ''ضالّین'' وہ لوگ ہیں جن میں صحیح علم نہیں ہے یا بہت ہی کم ہے، لیکن عملی قوت بہت زیادہ ہے۔ ان کی مثال رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں ''نصاریٰ'' (عیسائی) تھے۔

ہمارے زمانے میں جو علما قرآنی سیاست کو چھوڑ کر سیاست میں کسی قوم کی تقلید کرتے ہیں وہ ''مغضوب علیھم'' کی زد میں آتے ہیں۔ اور جو انگریزی دان دوسری قوم کی سیاست کی تقلید کرتے ہیں وہ ''الضّالین'' کی شق میں شامل ہیں۔ جو بات تم خود نہیں سمجھتے اور اس کی ذمہ داری نہیں لے سکتے' اس کی ذمہ داری مت لو، سمجھ بوجھ کر جو سیاسی کام کر سکتے ہو، وہ کرو، ورنہ خاموش بیٹھو۔ ایسے ہی جو لوگ کہتے ہیں کہ اس زمانے میں کوئی شخص قرآن حکیم کو نہیں سمجھ سکتا وہ بھی ''ضالّین'' میں سے ہیں۔''

قرآن حکیم نے مغضوب علیھم اور ضالّین کی خصلتیں بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''اور جس نے بخل کیا اور بے پرواہی اور تکبر سے کام لیا اور ہر اچھی بات کو جھٹلایا تو ہم اس کے لیے سختی پیدا کر دیتے ہیں۔'' (92:10-8) یعنی وہ لوگ جو:

[1] انسانیت کے فائدے کے لیے مال خرچ کرنے میں بخل سے کام لیں۔

[2] انسانی حقوق کی ادائیگی میں بے پرواہ اور متکبرانہ ذہنیت رکھتے ہوں۔

[3] ہر اچھی سوچ اور فکر اور عمدہ بات کو جھٹلائیں اور اس کا انکار کریں۔

سورتِ فاتحہ میں یہ چند بنیادی اساسی اصول بیان کیے گئے ہیں، گویا اس سورت کو پڑھنے والے لوگ ان اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنے کی اللہ سے دعا مانگتے ہیں۔

''آمین'' کا مطلب بیان کرتے ہوئے مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں: ''ہم نے انبیائے کرامؑ کی کتابوں میں سے کسی نبی کی کتاب میں ایسی دعا نہیں دیکھی جو شخصی' قومی' جغرافیائی اور نسلی اثرات سے پاک ہو۔ صرف سورۂ فاتحہ کی اجتماعی انقلابی دعا ہی ایسی دعا ہے جو ان تمام اثرات سے پاک ہے۔ اس پر تمام اقوام جمع ہو کر ''آمین'' کہہ سکتی ہیں۔''

درسِ حدیث

تشریح: مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

''مسلمان'' کی خصوصیت

عَنْ عبداللّٰہ بن عمروؓ عن النّبیؐ قال: ''المسلم من سلم المسلمون من لسانہٖ و یدہٖ، والمھاجر من ھجر مانھی اللّٰہ عنہ.'' (صحیح بخاری، حدیث 6484)

(حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسلمان وہ ہے، جس کی زبان اور ہاتھ (کی ایذا) سے مسلمان بچے رہیں اور مہاجر وہ ہے جو اُن کاموں کو چھوڑ دے جن سے اللہ نے منع کیا ہے۔'')

اس حدیث میں مسلمان کے سامنے اسلام کی دو خوبیاں بیان کی گئی ہیں:

ایک یہ کہ مسلمان کے قول و فعل سے دوسرے مسلمان کو تکلیف اور پریشانی نہ ہو۔ عربی زبان کے اصولوں کی روشنی میں لفظ ''مسلمان'' سے مراد یہ ہے کہ وہ دوسروں کے لیے تکلیف کا باعث نہ ہو۔ دوسروں کی ایذا رسانی سے گریز کا یہ حکم عمومی ہے۔ صرف مسلمانوں کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ ''صحیح ابن حبان'' کی روایت میں ''المسلمون'' کی جگہ ''النّاس'' کا لفظ ہے۔ لہٰذا مسلمان اس امر کا پابند ہے کہ وہ بلا امتیاز مذہب وملت ہر انسان کے ساتھ شفقت و رحمت سے پیش آئے۔ ہر ایک کے حقوق کے تحفظ کا ضامن بنے۔ تمام افرادِ معاشرہ کے لیے سراپا رحمت بن جائے۔ اس بنا پر جو مسلمان تفریق، تقسیم، تشدد اور دوسروں کے لیے تکلیف، بدامنی اور خوف دلانے کا باعث بنتے ہیں، وہ دین سے لاعلمی، جہالت اور مسلمان کے خصوصی اوصاف سے انحراف کی علامت ہیں۔ مذہبی اور مسلکی جتھے بندی کے جذبات کے تحت ایسے منفی کام خواہ نیک نیتی سے کیے جائیں، حدیث کی رُو سے دینی مزاج سے ناواقفیت کی نشانی ہے۔ وہ کافر جو مسلم ملکوں کے اندر سماجی قوانین کو تسلیم کر کے رہ رہے ہوں، قرآن کی رو سے ان کے ساتھ حسن سلوک سے منع نہیں کیا گیا۔ اس حدیث کی روشنی میں مسلم معاشروں میں مذہبی یا مسلکی بنیاد پر نفرت، تشدد اور خانہ جنگی کا رجحان تبدیلی کا تقاضا کرتا ہے۔

دوسری بات اس حدیث میں یہ بیان کی گئی ہے کہ ہجرت درحقیقت اللہ کے ناپسندیدہ کاموں کو چھوڑ دینا ہے۔ لہٰذا وہ شخص جو کسی بے دین معاشرے میں رہتا ہو اور مکمل دین پر عمل درآمد کی نیت سے اپنا وطن چھوڑ کر دوسرے وطن کو اختیار کرنے کے مواقع نہ پاتا ہو تو اس کے لیے ہجرت کی فضیلت پانے کا یہ مناسب موقع ہے کہ وہ ان کاموں کو چھوڑ دے جن کے کرنے سے اللہ ناراض ہوتے ہیں۔ نیز ہجرت کا حکم اس بات پر غور کرنے کا تقاضا کرتا ہے کہ اگر کسی مسلم معاشرے میں مکمل دین نافذ نہ ہو تو اسے کس حد تک غلبۂ دین کی جدوجہد کرنی ہے۔ پہلے قول، تحریر اور دین کے عملی نظام کے قیام کے تمام ممکنہ اقدامات کو اختیار کرنا ہوگا، پھر بھی مقصد حاصل نہ ہو اور کسی اور ملک میں جا کر کل دین پر عمل ممکن ہو تو ہجرت کی نوبت آئے گی، ورنہ غلبۂ دین کی ہر ممکن کوشش اور انفرادی و اجتماعی زندگی میں احکاماتِ الٰہی کی پابندی کرنا ہجرت کی فضیلت کے حصول کا راستہ ہے۔

www.rahimia.org

اداریہ

تصوف، تربیت اور عصرِ حاضر

کسی بھی معاشرے کی طاقت اس کے تربیت یافتہ افراد ہوتے ہیں۔ آج بھی دنیا میں وہ ادارے، آرگنائزیشنز، ملک اور قومیں طاقت ور تصور کی جاتی ہیں، جنھیں تربیت یافتہ افراد میسر ہیں۔ مینجمنٹ کی دنیا میں امور سرانجام دینے اور بہتر نتائج کے لیے آج بھی سب سے قیمتی اثاثہ تربیت یافتہ افراد کے ٹیم ورک کو تصور کیا جاتا ہے۔ آج ہمارے معاشرے کا سب سے سنگین المیہ یہی ہے کہ ہماری دینی و سیاسی جماعتیں اور حکومت کے انتظامی ادارے ایسے تربیت یافتہ افراد سے تہی دست ہیں۔ اور لمحہ فکریہ، یہ ہے کہ اس پر ہمارے بااختیار اور ذمہ دار طبقوں کی توجہ بھی نہیں ہے۔ وہ اس کی سنگینی سمجھنے سے بھی قاصر ہیں کہ جب افرادِ معاشرہ میں سے معدودے چند ایسے افراد کو تلاش کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہو جائے، جن کے بل پر قوم کی ترقی کا کوئی پروگرام طے کیا جا سکے تو اس قوم کے انجام کو سمجھنا کوئی مشکل امر نہیں ہے۔

ہمارے ہاں ایک زمانے میں عوام کے ساتھ ساتھ حکمرانوں اور سیاسی و مذہبی قیادت کی تربیت میں خانقاہوں اور تصوف کے ادارے کا بڑا بنیادی کردار رہا ہے۔ خدا رسیدہ مرشدوں اور صاحبِ کمال عارفوں کی صحبتوں نے ہمارے معاشروں کو ایسے ایسے باہمت اور تربیت یافتہ افراد دیے، جن کے کارنامے آج بھی ہماری شان دار تاریخ کا حصہ ہیں۔ صوفیائے کرام نے عوام میں انسانی خصائص کو اُبھارنے اور رویوں کو سنوارنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ ان درویش صفت انسانوں نے معاشرے کو خانقاہ کے ادارے کی شکل میں ایسا ماحول دیا ہے، جس میں تربیت کے وہ جوہر سکھائے اور پیدا کیے جاتے تھے، جو محض معلومات یا کتابی علم سے ممکن نہ تھے، بلکہ اس کے لیے ان بزرگوں کی صحبت اور توجہ ضروری ہوتی تھی۔ ان بزرگوں نے اپنی تربیت کے ذریعے جہاں دانشور طبقوں کی عقل و فکر کی صلاحیتوں کو جلا بخشی، وہاں انھوں نے قوم کے باطنی شعور کو تہذیب اور ترقی کے ساتھ ساتھ ان میں جذبہ عمل اور بے لوث خدمت کے جذبات کو بھی اُبھارا۔

المیہ در المیہ یہ ہے کہ جیسے ہماری ماضی قریب کے بعض تیسرے اور چوتھے درجے کے دانش وروں نے تصوف کو مسلمانوں کے زوال کی وجہ قرار دیا تھا، ایسے ہی آج بعض نام نہاد دانش ور تربیت کے اس مسلمہ اور تجربہ شدہ ادارے کے خلاف مورچہ لگائے بیٹھے ہیں۔ یہ لوگ آئے دن اپنی درفطنیوں کے باعث ابہام پیدا کرتے رہتے ہیں۔ جب کہ دوسری طرف خانقاہوں اور تصوف کے نام پر ایک ایسا طبقہ وجود میں آ چکا ہے، جو عوام کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہا ہے۔ اس طرح ان خرافات میں حقیقت گم ہو کر رہ گئی ہے۔ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ فرماتے ہیں: ''اب تو جن لوگوں سے (دنیا کا) کوئی کام بن نہیں آتا، وہ اِدھر (تصوف کی طرف) محض اس لیے آتے ہیں کہ یہ بھی مفت خوروں کی ایک فوج ہے اور اسی طرح اپنا گزارہ کرو۔ وہ دیکھتے ہیں کہ آخر ان کو جو کچھ کھانے پینے کو ملتا رہتا ہے، ان کے پاس بھی کچھ ہے اور لوگ اعتقاد میں سمجھتے رہتے ہیں کہ ''حضرت جی — خواہ سو رہے ہوں — نہیں معلوم کون سے آسمان اور کس مقام میں پھر رہے ہیں۔'' اب جس کو کچھ دنیا کا کرنا آتا ہو، وہ تو ادھر (تصوف کی طرف) متوجہ نہیں ہوتا۔'' ان دو انتہاؤں کی موجودگی میں علمائے ربانیین کے فکر و فلسفے سے اس عہد میں رہنمائی لینا بہت ضروری ہو گیا ہے، تاکہ حقیقت کو خرافات سے چھانٹ کر الگ کیا جا سکے اور صدیوں سے انسانی اصلاح اور تربیت پر مامور خانقاہ اور تصوف کے ادارے سے متعلق جھوٹے اور منفی پروپیگنڈے کا قلع قمع کیا جا سکے۔

دنیا کے ہر علم و فن میں ہر طرح کے افراد ہوتے ہیں۔ کسی فن کے ناقص اور نااہل لوگوں کی وجہ سے اس علم و فن کے وجود اور حقیقت ہی کا انکار کر دینا کوئی دانش مندی نہیں ہے۔ امام عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں: ''ہر اجتماع میں اعلیٰ سے اعلیٰ اور اسفل سے اسفل (پست) افکار اور رُجحانات موجود ہوتے ہیں، لیکن زمانۂ عروج میں اسفل افکار دبے رہتے ہیں اور شاذ و نادر کوئی فرد انھیں قبول کرتا ہے۔ عام جمہور اُن سے بے زار ہوتے ہیں، لیکن جب قوم کا مزاج بگڑ جائے تو پھر اعلیٰ افکار دھندلے ہو جاتے ہیں اور اسفل خیالات کا قوم میں سکہ رواں ہوتا ہے۔ اس لیے قومی افکار و رُجحان کی صحیح تشخیص بہت غور و فکر چاہتی ہے۔''

علمائے حق کی نمائندہ شخصیت حضرت امام عبیداللہ سندھیؒ نے حقیقی تصوف پر وارد تمام سوالات کے تسلی بخش جواب دیے ہیں۔ چناں چہ وہ ایک مقام پر فرماتے ہیں: ''میں نے اچھے صوفی اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ اس لیے تصوف کو زوال کا باعث اور اس کا نتیجہ ماننا میرے لیے تو ناممکن ہے۔ مجھ میں ان بزرگوں کے فیضِ صحبت نے جہاد، اقدام اور عمل کا جذبہ تیز کیا۔'' نیز لکھتے ہیں: ''ہمارے تصوف کا ایک دور ایسا بھی گزرا ہے کہ صوفیا سپاہی تھے۔ سلاطین ان کے مشوروں پر چلتے تھے۔ وہ سپہ سالاروں کے دست و بازو ہوتے تھے۔ اس عہد کے صوفیا دنیاوی مال و متاع سے بے شک متنفر تھے، لیکن تبلیغ، جہاد، اقدام، جدوجہد اور اشاعتِ اسلام ان کی زندگی کا مقصد تھا۔ صوفیا علما سے ممتاز سمجھے جاتے تھے۔ علما سلطنت کے ارکان تھے۔ صوفیا سلطنت سے الگ تھے، لیکن سلطنت کی بے راہ رویوں کو ٹوکنے کے مجاز تھے۔ ان کی حیثیت کسی سیاسی پارٹی کے اس گروہ کی سی تھی، جو سلطنت کے عہدے کو تو قبول نہیں کرتا، لیکن اپنی پارٹی کے عہدے قبول کرنے والے اشخاص پر کڑی نگرانی رکھتا ہے۔ کسی صوفی کو یہ اجازت نہ تھی کہ وہ سلطنت کا کوئی منصب قبول کرے، لیکن اس کو یہ حق ضرور حاصل تھا کہ بادشاہ سے لے کر عام متصدّی (کلرک) اور سپاہی کے کردار تک کی نگرانی کرے۔ اس عہد کے صوفیا کو یہ سمجھنا کہ وہ محض ''اہل اللہ'' تھے اور دنیا کے کاروبار سے انھیں کوئی سروکار نہ تھا، صحیح نہیں۔''

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم تصوف کے نام پر ہر جھنڈا اٹھانے والے کے پیچھے چلنے کے بجائے شریعت، طریقت اور سیاست کی جامع خانقاہوں کو پہچان کر اپنی، ملک اور قوم کی اصلاح اور تربیت کا بیڑا اٹھائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین اسلام کی تعلیمات پر تربیت یافتہ صوفیائے حق کی صحبت اور معیت نصیب فرمائے۔ (مدیر)

www.rahimia.org

افکار امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ

نفس انسانی پر اعمال کے اثرات و نتائج

مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

برعظیم پاک و ہند کی عظیم ترین شخصیت حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اٹھارہویں صدی عیسوی میں انقلابی افکار اور تعلیمات انسانیت کے سامنے پیش کیے ہیں۔ دوسرے ہجری ہزارے میں دین حق کی سچی تعلیمات پر مبنی اُن کے بیان فرمودہ افکارِ عالیہ آج بھی اپنے اندر تازگی رکھتے ہیں۔ یہ افکارِ عالیہ نئی سیاسی، سماجی اور معاشی تشکیل کے لیے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ مترجم

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ "حُجّۃُ اللّٰہ البالغہ" میں فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: "ہم نے ہر انسان کا نامۂ اعمال اُس کی گردن میں لگا دیا ہے اور قیامت کے دن ہم اس کا نامۂ اعمال نکال کر سامنے کر دیں گے کہ اپنا نامۂ اعمال خود پڑھ لے۔ آج اپنا حساب لینے کے لیے تُو ہی کافی ہے۔" (13:15)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ربّ تبارک وتعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ: "یہ تمھارے ہی اعمال ہیں، جن کے نتائج تمھارے سامنے ہیں۔ پھر میں تمھیں ان کا پورا بدلہ دوں گا۔ پس جو آدمی اچھا نتیجہ پائے تو اللہ کی تعریف کرے۔ جو اس کے علاوہ کوئی نتیجہ پائے تو سوائے اپنے نفس کے کسی اَور کو ملامت نہ کرے۔" (مشکوٰۃ، حدیث 2326)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: "نفس آرزو کرتا اور شہوت کا خیال کرتا ہے اور شرم گاہ اُسے سچا کر دکھاتی ہے یا جھوٹا۔" (مشکوٰۃ، حدیث 86)

جاننا چاہیے کہ انسان کے پختہ ارادے سے کیے ہوئے اعمال اور اس میں راسخ ہونے والے اَخلاق دراصل (درج ذیل پہلو رکھتے ہیں:)

(1) تمام اعمال واَخلاق انسانی نفس ناطقہ سے پھوٹتے ہیں۔ (الانبعاث)

(2) پھر اُسی نفس کی طرف دوبارہ لوٹتے ہیں۔ (العود)

(3) پھر اسی نفس کے دامن کے ساتھ وابستہ ہو جاتے ہیں۔ (التشبُّث)

(4) پھر ہر عمل اور خُلق "لوح" میں محفوظ اور جزا وسزا کا موجب ہوتا ہے۔ (الاحصاء)

(1) جہاں تک نفس ناطقہ سے اعمال کے پھوٹنے کا تعلق ہے تو اس حوالے سے تم (گزشتہ ابواب میں) جان چکے ہو کہ انسان کی مَلَکیّت و بہیمیت اور ان دونوں کے باہمی اجتماع کی اقسام اور ہر قسم کا الگ الگ حکم، طبعی مزاج کا غلبہ، فرشتوں یا شیطانوں کے زیر اثر پیدا ہونے والے خیالات سے متعلق تمام اسباب کو انسانی جبلت ہی وجود میں لاتی ہے۔ اور انسانی جبلت اور اعمال میں مناسبت ہوتی ہے۔ چناں چہ ان اعمال و اَخلاق کا مرکز اور منبع بالواسطہ (اسباب کا لحاظ کرتے ہوئے) یا بلاواسطہ (صرف جبلت کا لحاظ کرتے ہوئے) دراصل نفس انسانی ہی ہوتا ہے۔

کیا تم نے خواجہ سراؤں کو نہیں دیکھا کہ وہ اپنی ابتدائی تخلیق سے ہی کمزور مزاج پیدا ہوتے ہیں۔ ایک سمجھ دار آدمی انھیں دیکھ کر یہ جان لیتا ہے کہ اگر یہ اسی مزاج پر جوان ہوا تو لازمی طور پر اس کے عادات واطوار عورتوں کی طرح ہوں گے۔ یہ انھیں کی طرح کا لباس پہنے گا۔ انھیں کے طور طریقے اپنائے گا۔ اسی طرح طبیب کسی صحت مند بچے کو دیکھ کر یہ جان لیتا ہے کہ اگر یہ بچہ اسی مزاج پر جوان ہوا اور اسے کوئی عارضہ پیش نہ آیا تو یہ طاقت ور اور مضبوط ہوگا یا (پیدائشی کمزوری کے سبب) کمزور اور لاغر ہوگا۔

(2) جہاں تک انسانی اعمال کا انسانی نفس کی طرف لوٹنا ہے تو وہ اس طرح کہ انسان جب کوئی عمل کرتا ہے اور اُسے بار بار دہراتا ہے تو اس کے نفس میں اس عمل کی عادت ہو جاتی ہے۔ اس کے لیے وہ عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اُسے یہ عمل دوبارہ کرنے کے لیے کسی خاص غور وفکر اور مستقل داعیے اور جذبے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کیے گئے عمل سے انسانی نفس متاثر ہوا ہے اور اُس نے اس کا رنگ قبول کیا ہے۔ بے شک نفس کے متاثر ہونے میں باہم ملتے جلتے اعمال میں سے ہر ایک عمل کا ایک خاص دخل ہے۔ اگرچہ وہ کتنا ہی تھوڑا کیوں نہ ہو اور اس کو الگ سے پہچاننا کتنا ہی مخفی کیوں نہ ہو۔ اسی کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

"انسانی دلوں پر کچھ اس طرح سے فتنے آتے ہیں جیسا کہ چٹائی کی بُنتی کے وقت ہر ایک تنکے کے بعد دوسرا آتا ہے۔ پس جو دل ان فتنوں کا پانی پی لیتا ہے تو اس دل میں ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے۔ جو دل ان فتنوں کو قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے تو اس کے دل میں سفید نقطہ لگ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ دو طرح کے دل بن جاتے ہیں: ایک سفید چکنے پتھر کی طرح کا دل، چناں چہ جب تک آسمان وزمین قائم ہیں، کوئی فتنہ اُسے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ دوسرے انسان کا دل سیاہ اور آلودہ اُلٹی کالی ہانڈی کی طرح ہو جاتا ہے۔ وہ کسی نیک کام کی پہچان نہیں رکھتا اور کسی بُرے کام کو ناپسند نہیں کرتا۔ وہ اپنی خواہشات کے مطابق عمل کرتا ہے۔" (مشکوٰۃ، حدیث 5380)

(3) جہاں تک نفس انسانی کے دامن کے ساتھ انسانی اعمال واَخلاق کی پختہ وابستگی کا تعلق ہے تو یہ پیش نظر رہے کہ انسانی نفس شروع میں بغیر کسی شکل وصورت کے صاف ستھرا پیدا ہوتا ہے۔ وہ کسی بھی طرح کے رنگ سے فارغ ہوتا ہے۔ اس کے بعد جب وہ اپنی قوت واستعداد کے مطابق دن بہ دن اعمال وافعال کرتا ہے تو (انسانی نفس پر ہر روز اعمال کے مطابق ایک نئی حالت اور رنگت آتی رہتی ہے۔) ہر آنے والی نئی حالت کا سبب اس سے پہلے والی حالت ہوتی ہے۔ اس طرح انسانی دل پر طاری ہونے والے حالات کے علت ومعلول کا ایک ایسا مرتب سلسلہ وجود میں آجاتا ہے کہ جس کا معلول کبھی علت سے پہلے نہیں آسکتا۔ انسانی نفس کی جو ہیئت وشکل آج موجود ہے، وہ ضرور اس سے پہلے کے مجموعی اعمال کا نتیجہ ہے۔ اگرچہ دنیا کے دیگر کاموں میں مشغولیت کے سبب یہ بات کتنی ہی مخفی اور پوشیدہ کیوں نہ ہو۔

ہاں! البتہ ان اعمال پر اُبھارنے والی انسانی قوت ہی سرے سے فنا ہو جائے تو الگ بات ہے۔ جیسا کہ ہم نے پیچھے بوڑھے اور مریض آدمی کے بارے میں تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا تھا۔ یا انسانی نفس سے زیادہ طاقت ور کوئی بالائی حالت اس پر اس طرح طاری ہو جائے کہ اس کے پورے سلسلۂ نظام کو توڑ کر مکمل تبدیلی پیدا کر دے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: "بے شک نیکیاں گناہوں کے سلسلے کو مٹا کر رکھ دیتی ہیں۔" (114:11) اسی طرح ارشاد فرمایا: "اگر تُو نے شرک کیا تو تیرا عمل ضائع ہو جائے گا۔" (65:39) (بقیہ صفحہ 8 پر)

www.rahimia.org

علمائے حق کی قناعت پسندی

مولانا مفتی عبدالقدیر، چشتیاں

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ دونوں حضرات دارالعلوم دیوبند کے بانیوں میں سے ہیں۔ یہ حضرات حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کے تربیت یافتگان اور ولی اللّٰہی علوم ومعارف کے محقق علما میں شامل ہیں۔ خصوصاً حضرت الامام محمد قاسم نانوتویؒ نے حضرت حاجی صاحبؒ کی قیادت میں تحریکِ شاملی میں شامل ہوکر دادِ شجاعت حاصل کی۔ یہ حضرات جہاں میدانِ علم وعمل کے شہ سوار تھے، وہیں اَخلاقِ عالیہ میں سلف صالحین کا نمونہ تھے۔ چناں چہ قناعت پسندی پر دونوں حضرات کا درج ذیل واقعہ اپنی مثال آپ ہے اور ہمارے لیے مشعل راہ ہے:

''ریاست بھوپال میں نواب صدیق حسن خاں نے ایک بڑے مدرسے کی بنیاد ڈالی تھی اور چاہا کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو اس کا مہتمم اور حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کو صدر مدرس بنادیں۔ مولانا نانوتویؒ کی تنخواہ تین سو روپے اور مولانا محمد یعقوبؒ کی ایک صد روپے ماہوار تجویز کرکے ان سے درخواست کی گئی۔ دونوں میں کسی کا ارادہ یہاں (بھوپال) جانے کا نہیں ہوا۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے یہ جواب لکھ دیا کہ: ''میں اس وقت مطبع مجتبائی میں تصحیح کی خدمت انجام دیتا ہوں، جس پر مجھے دس روپے ماہ وار تنخواہ ملتی ہے، جو میری ضرورت سے زائد ہے۔ پانچ روپے میں میرا مع اہل وعیال کے خرچ پورا ہوجاتا ہے۔ باقی روپے کی فکر رہتی ہے کہ انھیں کہاں خرچ کروں۔ خدا تعالیٰ ان طالب علموں کا بھلا کرے کہ یہ میرے اس فکر کی کفالت کرلیتے ہیں۔ ان پر خرچ کرکے سبکدوش ہوجاتا ہوں۔ آپ نے تین سو تنخواہ لکھی ہے۔ اگر میں اس کو قبول کرلوں تو دو سو پچانوے کی فکر میرے سر پڑے گی۔ یہ میرے لیے ناقابل تحمل (برداشت) ہے۔''

مولانا محمد یعقوبؒ نے یہ سن کر فرمایا کہ بات جو لکھنے کی تھی، وہ تو آپ نے لکھ دی۔ اب میں کیا لکھوں؟ فرمایا کہ پھر میں یہ لکھتا ہوں کہ: ''میں اس شرط سے آتا ہوں کہ تین سو ماہوار تنخواہ ہوگی۔ اور کوئی پابندی مجھ پر عائد نہ ہوگی۔ جب چاہوں گا میں اپنے وطن آجایا کروں گا۔'' دونوں کی یہ تحریریں پہنچیں تو ان سے وہی سمجھا گیا جو لکھنے والوں کا مقصود تھا کہ یہ آنے کے لیے تیار نہیں۔ (حضرت تھانویؒ کے پسندیدہ واقعات، ص 19-218)

۱) انگریزوں نے سچے علمائے حق کو آزادی کی تحریک سے دست بردار کرنے کے لیے جہاں دباؤ اور جبر واِکراہ کا راستہ اختیار کیا، وہاں ترغیب وتحریص کا حربہ بھی اختیار کیا۔ ریاست حیدرآباد دکن اور بھوپال اس سلسلے میں کردار ادا کرتی رہی ہیں۔

۲) ان حضرات کی قناعت پسندی اور مال وجاہ سے زہد واستغنا ان کے استقامت کا باعث تھی۔ یہ زہد ان کو اپنے سچے مشائخ سے دلی محبت کے نتیجے میں حاصل رہا۔

۳) بزرگوں کے ان افکار کو سامنے رکھ کر آج کے دور کے معروف دیوبندی علما کو اپنا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ ان میں ان اکابر کے کردار واخلاق کی کوئی قدر موجود ہے یا ہر گزرتے دن کے ساتھ رُوبہ زوال ہے؟

محمد کاشف شریف، راولپنڈی

عام عوام

''پاکستانی عوام ٹیکس نہیں دینا چاہتی۔'' یہ ایک ایسا جملہ ہے جسے ہر سطح پر بیان کیا جاتا ہے، لیکن کسی نے آج تک اس حقیقت کا تعین نہیں کیا کہ ایک عام آدمی اپنی ماہانہ آمدن کا کتنا حصہ ٹیکس میں ادا کرتا ہے؟ اگر ایک ایسا شخص جو ماہانہ -/35,000 روپے کماتا ہے، وہ قومی معیشت میں کیا کردار ادا کرتا ہے؟ اور قومی معیشت کے منتظمین اُسے بدلے میں کیا دیتے ہیں؟ اگر تصور کرلیا جائے کہ مذکورہ شہری ایک کرائے کے مکان میں رہتا ہے اور اس کے تین بچے ہیں جو سکول جاتے ہیں اور یہ شخص ملازمت کے لیے روز بیس کلومیٹر کا سفر طے کرتا ہے۔ ٹیکس قوانین کے مطابق اس شہری پر -/450,000 روپے سالانہ آمدن کی وجہ سے انکم ٹیکس لاگو نہیں ہوتا۔ چناں چہ روزمرہ زندگی میں مذکورہ شہری کو ماہانہ بنیاد پر جن اخراجات کا سامنا ہوگا ان میں ٹیکس کی شرح کیا ہوگی؟

اس کا تخمینہ یہ ہے: سواری کا پٹرول -/3000 روپے، جس میں -/1,500 روپے ٹیکسز کا حصہ سرکار کو جاتا ہے۔ گھر کا کرایہ -/8,000 روپے۔ سکول کی فیس -/4,500 روپے۔ بچوں کی تعلیمی ضرورت کے حوالے سے سٹیشنری -/800 روپے، جس میں -/150 روپے ٹیکسز۔ بجلی کا اوسط ماہانہ بل -/4,000 روپے، جس میں دیگر ٹیکسز -/1,500 روپے۔ گیس کا اوسط ماہانہ بل -/1,000 روپے، جس میں -/200 روپے ٹیکسز۔ سبزی، دال اور گوشت کی مد میں -/5,000 روپے۔ خوردنی تیل -/1,200 روپے، جس میں -/200 روپے ٹیکسز۔ آٹا اور اس کی متعلقہ مصنوعات پر -/1,500 روپے، جس میں -/100 روپے ٹیکسز۔ دیگر غیر خوردنی ضرورت کی اشیا صرف -/2000 روپے، جس میں متعلقہ ٹیکسز -/500 روپے۔ اوسط ماہانہ اخراجات برائے صحت -/1,500 روپے، جس میں -/350 روپے ٹیکسز۔ موبائل فون بل -/1,000 روپے، جس میں -/400 روپے ٹیکسز۔ موسم کے لحاظ سے کپڑوں کی فراہمی کے لیے ایک ماہ میں اوسطاً -/1,000 روپے پانچ افراد پر مشتمل پورے خاندان کے لیے مختص کیے جاسکتے ہیں۔ اس تناظر میں حکومت کی جانب سے تیار کپڑوں پر 5% کا سیلز ٹیکس ہے، جو -/50 روپے بنتا ہے۔ خوشی اور غمی میں شرکت کے لیے سفر وغیرہ پر اوسطاً -/500 روپے، جس میں -/50 روپے ٹیکسز۔ مندرجہ بالا تخمینے کی روشنی میں کُل اخراجات -/35,000 روپے بنتے ہیں اور ان میں سرکار پاکستان -/5,000 روپے کا ٹیکس اکٹھا کرتی ہے۔

تنخواہ سے اگر کچھ بچ جائے تو اس بچت کو استعمال کرنے کے حوالے سے بھی حکومت کے پاس راستے موجود ہیں۔ اگر یہ پیسہ بینک میں جائے گا تو قرض کی صورت میں استعمال ہوگا۔ اگر اس بچت سے کوئی شئے خریدی جائے گی تو اُس پر پھر ٹیکس وصول کرلیا جائے گا۔ الغرض! نظام کے پاس ایک کم آمدنی والے شہری سے بھی مال بنانے کے کئی راستے ہیں۔

(بقیہ صفحہ 11 پر)

www.rahimia.org

عالمی منظرنامہ

مرزا محمد رمضان، راولپنڈی

حالیہ تشدد کی لہر: میانمار

میانمار جنوبی ایشیا کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ اس کے شمال مشرق میں دنیا کی وسیع و عریض سلطنت چین آباد ہے، جب کہ شمال مغرب میں دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت بھارت اور وسطی مغرب میں بنگالیوں کا بنگلا دیش قائم ہے۔ میانمار کے مشرق میں لاؤس اور جنوب مشرق میں تھائی لینڈ واقع ہے۔ 2017ء کے اعداد و شمار کے مطابق یہاں کی کل آبادی 5 کروڑ 49 لاکھ 33 ہزار 5 سو 84 نفوس پر مشتمل ہے۔ آبادی کی مذہبی تقسیم میں 87.9 فی صد بدھ مت کے ماننے والے ہیں۔ دوسری بڑی مذہبی اقلیت عیسائیت ہے، جس کی تعداد 6.2 فی صد ہے اور تیسری بڑی اقلیت مسلمان ہیں، جن کی تعداد 4.3 فی صد ہے۔ بدھ مت کی تعلیمات کو سیاسی اور سماجی ڈھانچے کی بنیاد بنانے والا پہلا حکمران چندر گپت موریہ خاندان کا فرماں روا اشوکِ اعظم تھا، جس کا عہدِ حکومت 232 تا 269 قبل مسیح تھا۔ یہاں سے بدھ مت سری لنکا پہنچا۔ آج دنیا میں بدھ مت کے ماننے والوں کی تعداد کم و بیش 10 کروڑ ہے۔ بدھ مت کی تعلیمات میں امن اور معاشی خوش حالی سب سے مقدم رہی ہے۔ مہاتما بدھ نے ہی کہا تھا کہ: ''دنیا دکھوں کا گھر ہے۔ اور ان دکھوں میں سب سے بڑا دکھ غربت اور افلاس کا ہے۔'' دنیا کا کوئی مذہب تشدد کا درس نہیں دیتا۔ ہر مذہب امن اور بھائی چارے کی تعلیمات کو فروغ دیتا ہے۔ یہ تو فرعونی نظام ہے جو معاشرے میں فرقہ پرستی پیدا کر کے قتل و غارت کو پھیلاتا ہے۔

میانمار کے ایک اہم صوبے ''اراکان'' میں اسلام عباسی خلیفہ ہارون الرشید جس کا عہد 786ء تا 809ء تک تھا، کے دور میں عربی تاجروں کے ذریعے پہنچا۔ مقامی آبادی اسلامی تہذیب و ثقافت سے متأثر ہو کر اسلام قبول کرتی گئی۔ یہاں تک کہ 1430ء میں شاہ سلمان نے یہاں مسلمانوں کی پہلی حکومت قائم کی۔ اس کے بعد یہاں کے فرماں رواؤں نے 350 سال تک اپنا سماجی ڈھانچہ قائم دائم رکھا۔ اس دوران یہاں مساجد، مدارس، جامعات تعمیر ہوئیں۔ انھوں نے معاشرے کے معروضی تقاضوں کو نبھانے کا خوب اہتمام کیا۔ ان کے دور میں سکّوں پر کلمہ طیبہ بھی کندہ کروایا گیا۔ آہستہ آہستہ سماجی نظام زوال کا شکار ہوتا گیا۔ 1784ء میں برما والوں نے ''اراکان'' پر حملہ کر کے اسے اپنی ریاست کا حصہ بنا کر اس کا نام میانمار رکھ دیا۔ 1824ء میں برطانوی قزاقوں نے برصغیر کے ساتھ اس پر بھی قبضہ کر لیا۔ ایک صدی سے زائد عرصے تک غلامی میں رہنے کے بعد 1938ء میں میانمار والوں نے آزادی حاصل کی۔ فرعونی طرزِ سیاست کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ جب بھی انھیں دنیا میں اقتدار ملا، ان کے پیشِ نظر محض مادی وسائل کا لوٹنا نظر آتا ہے۔ لوٹ کھسوٹ کے عمل کو مستقل رکھنے کے لیے خوف و ہراس پھیلایا جاتا ہے۔ انسانی جبلت استحصالی کردار کے راستے میں رکاوٹ بنتی ہے۔ لہٰذا اسے کمزور اور ناتوار رکھنا فرعونی خصلت نظام کی مجبوری بن جاتی ہے۔

تشدد کی حالیہ لہر کے اعتبار سے میانمار میں قتل و غارت کو فروغ دینے کے دو محرکات سامنے آتے ہیں: پہلا اس کے مادی وسائل اور دوسرا یہاں کا جغرافیائی محلِ وقوع۔ جہاں تک مادی وسائل کا تعلق ہے، میانمار دنیا کا سب سے پُرانا تیل پیدا کرنے والا ملک ہے۔ اوّلین عہد میں یہاں تیل اتنی وافر مقدار میں موجود تھا کہ لوگ بالٹیوں کے ذریعے کنوؤں سے تیل نکالا کرتے تھے۔ 1962ء میں جب فوج نے اقتدار سنبھالا تو معلوم ہوا کہ ایک کمپنی جو گزشتہ 115 سال سے تیل نکالنے کا کام کر رہی تھی، اس کی پیداوار چند بیرل یومیہ سے بڑھ نہ سکی۔ ملکی وسائل قومی تحویل میں لینے کے نتیجے میں یومیہ تیل کی پیداوار ہزاروں بیرل تک پہنچ گئی۔ تمام غیر ملکی کمپنیوں کو ملک سے بے دخل کر دیا گیا، جو 1980ء تک بے دخل رہیں۔ اس کے بعد غیر ملکی کمپنیوں کو ملک میں سرمایہ کاری کی دعوت دی گئی۔ جوں ہی انھیں سرمایہ کاری کی اجازت ملی، راتوں رات انھوں نے اپنے دفاتر کھولنا شروع کر دیے اور آج صورتِ حال یہ ہے کہ ملک میں تیل اور گیس کے ذخائر کتنے ہیں، اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ملکی کمپنیاں جن کی تعداد 51 اور غیر ملکی کمپنیاں جن کی تعداد 53 ہے، جو تیل اور گیس کو ملک کے صرف خشکی کے علاقوں سے نکالنے کے ذمہ دار ہیں، جب کہ سمندر سے تیل اور گیس نکالنے والی 26 کمپنیاں اس کے علاوہ ہیں۔

سامراج یہاں اپنی چوکیاں قائم کر کے نہ صرف خطے کے وسائل پر ہاتھ صاف کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، بلکہ علاقے میں عدمِ استحکام پیدا کر کے اپنے لیے اڈے بنانے کی طرف پیش قدمی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے یہاں کی سیاسی قیادت کو نوبل انعام سے نوازا تھا۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ یہ ملک چین کے قریب ہونے کی وجہ سے اس کا ہمسایہ ہے۔ چین دنیا کی اُبھرتی ہوئی معاشی اور سیاسی طاقت ہے۔ عالمی سامراج سیاست میں اپنی طاقت اور قوت کے اظہار کے لیے ایک مزید مورچے کی تلاش میں ہے، جہاں بیٹھ کر وہ چین کے ساتھ ساتھ اُبھرتی ایشائی طاقتوں جن میں بھارت بھی شامل ہے، پر اثر انداز ہونے کے لیے ایک واچ ٹاور بنانا چاہتا ہے۔ چوں کہ اس کے نزدیک ایشیا میں مذہبی کارڈ نتائج حاصل کرنے کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے، اس لیے خطے میں مذہب کی بنیاد پر فسادات پیدا کیے جا رہے ہیں۔

یہاں دو بڑے مذاہب بدھ مت اور اسلام صدیوں سے آباد ہیں، جن کے درمیان کبھی جنگ و جدل کا تعلق پیدا نہیں ہوا۔ جب سے اقوامِ متحدہ کی تشکیل ہوئی ہے، بعض علاقوں میں قصداً ایسے مسائل پیدا کیے گئے، جنھیں اپنی حکمتِ عملی کے تقاضے کے تحت دنیا میں استعمال کیا جاتا ہے۔ علاقے کی مناسبت سے جتھے تیار کر رکھے ہیں۔ پُرتشدد گروہوں سے قتل و غارت کروا کر تشدد کا ماحول بنایا جاتا ہے۔ عالمی سطح پر یہ جتھے اسے ظلم قرار دینے کے لیے آواز اٹھاتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ 11 پر)

www.rahimia.org

رپورٹ: نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

اوقات وایام کی تعیین کی حکمت

22 ستمبر 2017ء/ یکم محرم الحرام ۱۴۳۹ھ کو حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے ادارہ رحیمیہ لاہور میں خطبہ جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''معزز دوستو! آج کا دن انتہائی مبارک دن ہے۔ جمعۃ المبارک کی بابرکت ساعت ہے اور یکم محرم الحرام بھی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کائنات کی تخلیق کے ساتھ ہی کائنات کے لیے جو نظام وضع کیا، اس میں انسانیت کے فائدے اور ترقی کے لیے زمانہ، وقت، دن رات کا تغیر وتبدل، ایام وشہور اور سال وغیرہ متعین کیے۔ تخلیق کائنات کے ساتھ ہی مہینوں اور دنوں کی گنتی کا آغاز ہوا۔ یکم محرم الحرام وہ دن ہے، جس میں آسمان وزمین کی پیدائش ہوتی ہے اور حضرت آدم علیہ السلام اس کرۂ ارض پر آئے ہیں۔ وہ دن بھی جمعۃ المبارک کا تھا۔

کسی بھی نظام میں معاملات طے کرنے اور لین دین کے لیے اوقات وایام کا تعین ہونا، انسانی اجتماعیت کے لیے ناگزیر ہے۔ نبی اکرم ﷺ جب دنیا میں تشریف لائے تو عربوں کے ماحول میں اوقات وایام کے تغیر وتبدل کے حوالے سے بدنظمی موجود تھی۔ طاقت ور طبقہ اپنے مفاد کے لیے جب چاہتا تھا، مہینہ بدل دیتا، تاریخ بدل دی جاتی۔ خود اگر کسی سے کوئی چیز وصول کرنی ہوتی تو قریب تر کوئی بھی مہینہ قرار دے دیا جاتا۔ اور اگر کسی کو کوئی چیز ادا کرنی ہے تو اس کے لیے اس مہینے کا نام بدل کر جس مہینے کا وعدہ کیا ہوتا، اس کو مؤخر کر دیتے۔ یعنی لوٹ کھسوٹ اور کرپشن کا ایک اہم ترین ذریعہ طے شدہ اوقات و ایام میں تغیر وتبدل تھا۔ چناں چہ جب نبی اکرمؐ نے مکہ فتح کیا اور مکہ کے بعد عالمی نظام کی تشکیل کا عمل شروع ہوتا ہے تو حج کے موقع پر مہینوں کی اس ردّ وبدل کو سرے سے ناجائز قرار دیا گیا اور محرم الحرام سے اللہ پاک کے مقرر کردہ بارہ مہینوں کی نئی ترتیب قائم کر دی۔

محرم الحرام احترامِ انسانیت کا مہینہ ہے۔ انسانیت کی ابتدا اس سے ہوئی ہے۔ اوقات وایام کی بنیاد پر ایک نظام بنایا۔ اس کا مقصد دراصل انسانی جان، مال، عزت، آبرو کا تحفظ ہے۔ چناں چہ تمام مالی معاملات اور تمام انسانی معاہدات کی بنیاد حرمت پر ہونی چاہیے۔ انسانوں کو بنیادی طور پر دو سہولتیں ہی مطلوب ہوتی ہیں: ایک اس کی جان اور اس کے حقوق کی حفاظت، جسے سیاسی نظام کہا جاتا ہے۔ دوسری بڑی بنیادی چیز انسانی مال کی حفاظت ہے، جو انسان کے فائدے کے لیے اہم کردار ادا کرتی ہے۔ یہ معاشی نظام ہے۔ اس لیے نبی اکرمؐ نے جب بین الاقوامی نظام کے قائم کرنے کے لیے دینی اصول متعین کیے تو فرمایا کہ: ''تمھاری جان اور تمھارا مال ایسے ہی محترم جیسے یہ مہینہ اور یہ جگہ محترم ہے۔'' اب اس معزز جگہ اور محترم مہینوں کا احترام کرتے ہو، لیکن انسان اور اس کی محنت اور مشقت سے کمائے ہوئے مال کا احترام نہیں کرتے۔ ان کے حقوق کی ادائیگی کے لیے کردار ادا نہیں کرتے۔ یہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہے۔''

دین اسلام میں عصری تقاضوں کی رعایت

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''دین اسلام دراصل اجتماعی سوسائٹی کی تشکیل اور اس کے امور کو بہترین انداز میں سرانجام دینے کی عقلی اور شعوری رہنمائی دیتا ہے۔ یہ کوئی روایتی مذہب یا محض کسی عقیدت کی بنیاد پر کچھ رسومات سرانجام دینے کا دین نہیں ہے۔ اس کا تعلق انسانیت کی ترقی اور فلاح و بہبود سے ہے۔ محرم الحرام سے نئے سال کا آغاز اس بنیاد پر نہیں کہ مذہب اسلام نے یہ ہجری قمری سن مقرر کر دیا تو محض رسمی طور پر یہ اسلامی ہو گیا اور باقی شمسی سال غیر اسلامی ہو گئے۔ اسلام سے قبل دنیا بھر میں یہ دونوں شمسی اور قمری نظام موجود تھے۔ نبی اکرمؐ اور صحابہؓ نے ان میں سے قمری سن کو اس لیے مقرر کیا، تاکہ قمر یعنی چاند کا طلوع وغروب ہر آدمی آسانی سے معلوم کر سکے۔ نیز بالادست طبقات اپنے ذاتی مفاد میں علم نجوم کی فلکیاتی بنیاد پر مہینے نہ تبدیل کرتے رہیں۔ اس لیے اجتماعی سہولت کی بنیاد پر قمری نظام وضع کیا گیا۔ اسی کی اساس پر ہجری کیلنڈر بنایا گیا۔

دین کے بنیادی اساسی اصول واحکامات دراصل انسانی سہولت کے لیے ہیں۔ کسی اجتماع سے کسی کام میں جو بھی سہولت پیدا ہو، اس کو اختیار کرنا اسلام کا تقاضا ہے۔ اگر اس سہولت کو ردّ کر کے کوئی مشکل کھڑی کی جائے تو یہ گویا کہ امن وسلامتی سے متصادم عمل ہے۔ آج اگر سہولت کسی اَور انداز میں ہے تو اس کے مطابق معاملات طے کیے جاتے ہیں۔ آج سعودی عرب نے اپنی سہولت دیکھی کہ شمسی مہینوں کے حساب سے تنخواہ دینے سے سالانہ دس دن کی تنخواہ بچائی جا سکتی ہے تو اس حساب سے تنخواہ دینی شروع کر دی۔ حال آں کہ اب تک تو ہجری کیلنڈر جاری کیا ہوا تھا۔ چناں چہ ہجری کیلنڈر کے مطابق لوگوں کو تنخواہیں دی جاتی رہیں، لیکن اب ریونیو کم ہوا، تیل ختم ہونا شروع ہوا تو اب انھوں نے کہا کہ مالی معاملات شمسی کیلنڈر کے حساب کے مطابق طے کیے جائیں گے۔

بات یہ ہے کہ قمری یا شمسی کیلنڈر کا استعمال انتظامی امور میں سے ہے۔ اجتماعی امور میں انتظامی سہولت دیکھی جاتی ہے۔ جس وقت جس اجتماع کو جس انتظامی کام کرنے سے سہولت حاصل ہوتی ہے، وہ دین اسلام کی تعلیمات کا حصہ ہے۔ اس کے علاوہ کو غیر اسلامی کہنا اور اس کو اسلامی قرار دے کر لڑائی جھگڑا پیدا کرنا غلط بات ہے۔ دین اسلام کی اجتماعی تعلیمات کو انسانی سہولتوں کو تناظر میں سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی ہمیں کوشش کرنی چاہیے۔

پھر اس مہینے میں تو خاص طور پر احترامِ انسانیت کے بنیادی انسانی حقوق کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ آج عجیب بات ہے کہ جو مہینہ احترام کے لیے تھا، وہی فرقہ وارانہ جھگڑوں کا بنا دیا گیا۔ جو انسانیت کی تخلیق اور ترقی کا مہینہ تھا، اسے انسانیت کے تنزل اور توہین کا مہینہ بنا دیا گیا۔ اللہ پاک ہمیں محرم الحرام کی نسبت سے احترامِ انسانیت کی بنیاد پر اپنے معاشروں کو تشکیل دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!''

www.rahimia.org

بچوں کا کالم

خواجہ عبدالحئی فاروقیؒ (تلمیذِ خاص مولانا عبیداللہ سندھیؒ)

قومی زندگی میں اتفاق کی اہمیت

مل جل کر رہنا اور ایک دوسرے کی خوشی اور غم میں حصہ لینے کا نام قومی زندگی ہے۔ اگر لوگ آپس میں لڑتے جھگڑے رہیں تو اس سے وہ خود ہی کمزور ہو جائیں گے۔ ان کی ہوا اُکھڑ جائے گی اور دشمنوں پر سے ان کا ڈر اور خوف اٹھ جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے مل کر رہنے کی بڑی تاکید کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''سب مل جل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑے رہنا اور فرقہ فرقہ نہ بن جانا۔'' (103:3)

دوسری جگہ حکم ہوا: ''آپس میں نہ جھگڑا کرنا، ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے۔ اور تمھاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔'' (46:18)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو تاکید کی کہ وہ اتفاق سے رہیں۔

ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا:

''یہودی 71 فرقوں میں اور نصاریٰ 72 فرقوں میں بٹ گئے اور میری اُمت 73 فرقے بن جائے گی۔ جن میں سے صرف ایک گروہ جنتی ہوگا، باقی سب دوزخ جائیں گے۔''

صحابہؓ نے پوچھا جنت میں جانے والے کون ہیں؟

آپؐ نے فرمایا: ''وہ جو جماعت کے ساتھ رہیں گے۔''

لوگوں نے کہا کہ وہ کس راستے پر چلتے ہوں گے؟

آپؐ نے فرمایا: ''ما أنا عليه و أصحابي.''

(جو میرے اور میرے دوستوں کے راستے پر ہوں گے۔) (حاکم)

حضرت ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں کہ ہمارے رسولؐ فرماتے ہیں:

''جو شخص ایک بالشت کے برابر بھی جماعت سے الگ ہوا، اس نے اپنی گردن سے اسلام کا حلقہ نکال باہر کیا۔'' (ابوداؤد)

حضرت عرفجہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسولِ پاکؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''قریب ہے شرّ و فساد ہوگا۔ بس جو شخص یہ ارادہ کرے کہ اس امت میں جدائی ڈال دے، حال آں کہ وہ اکٹھی ہو تو اس کو تلوار سے مار ڈالو۔ خواہ وہ کوئی شخص ہو۔'' (مسلم)

مل جل کر رہنے کی بہترین مثال نماز ہے۔

زکوٰۃ کا روپیہ دولت مندوں سے لیا جاتا ہے، تاکہ اس قوم کے غریب مسلمانوں کی مدد ہو سکے اور سب کے سب ترقی کر سکیں۔

دنیا بھر کے مسلمانوں کا ایک جگہ پر جمع ہو کر اللہ کی عبادت کرنے کا نام حج ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست جب تک اکٹھے ہو کر رہے، دنیا کی کوئی طاقت ان کو شکست نہ دے سکی۔

بقیہ: افکار امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ

(4) جہاں تک انسانی نفس میں اس کے اعمال کا محفوظ ہونا اور جزا و سزا کا تعلق ہے تو میں نے اپنے ذوق سے اس کا راز پایا ہے، وہ یہ کہ اس کائنات کے بلند ترین مقام (عالم مثال) میں بالائی نظام کی عطا کردہ ہر انسان کی ایک (مثالی) صورت موجود ہے۔ اور وہ معاملہ جو میثاقِ الست کے قصے میں ظاہر ہوا، وہ اسی کا ایک شعبہ ہے۔ جب یہ شخص دنیا میں آتا ہے تو اس صورت کے مطابق وجود میں آتا ہے۔ اور وہ صورت اس کے ساتھ متحد ہو جاتی ہے۔ جب انسان کوئی (نیک) عمل کرتا ہے تو اس عمل سے اس مثالی صورت کو طبعی طور پر بے اختیار خوشی حاصل ہوتی ہے۔ پھر بسا اوقات آخرت میں یہ صورت خود ظاہر کرے گی کہ اس کے نیک اعمال اس کے پاس محفوظ ہیں۔ نامۂ اعمال پڑھ کر سنانا اسی سے متعلق ہے۔ بسا اوقات وہ صورت یہ ظاہر کرے گی کہ اس کے اعمال نامۂ اعمال میں محفوظ ہیں اور اس کے اعضا کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔ چناں چہ ہاتھوں اور پاؤں کا بولنا اسی سے متعلق ہے۔ اس طرح عمل کی ہر صورت اور حالت دنیا اور آخرت میں اپنے نتائج ظاہر کر دیتی ہے۔ بسا اوقات فرشتے اس عمل کی کوئی شکل و صورت نہیں بنا پاتے تو اللہ تعالیٰ ان سے کہتا ہے کہ: ''جیسا عمل ہوا ہے، اسی کے مطابق لکھ لو۔'' (ترغیب، 443:2)

امام غزالیؒ فرماتے ہیں: ''اللہ تبارک و تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق کی ابتدا سے لے کر آخر تک کے تمام امور مقرر کر کے لکھ دیے ہیں اور انھیں اللہ تبارک و تعالیٰ کی پیدا کردہ ایسی مخلوق میں تحریر کر دیا ہے، جسے کہیں ''لوحِ محفوظ'' (22:85)، کہیں ''کتاب مبین'' (6:11) اور کہیں ''امام مبین'' (12:36) کے الفاظ کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے، جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے۔ پس وہ تمام امور جو عالم میں جاری ہو چکے ہیں یا بعد میں جاری ہونے والے ہیں، اس میں لکھے ہوئے ہیں۔ اور اس میں ان کا پورا نقشہ بنا دیا گیا ہے، جسے ہم اپنی ان آنکھوں سے مشاہدہ نہیں کر سکتے۔

ایسا گمان مت کرنا کہ یہ ''لوح'' لکڑی، یا لوہے، یا ہڈی کی ہے اور ''کتاب'' کاغذ یا ورق کی ہے، بلکہ مناسب یہ ہے کہ قطعی طور پر سمجھا جائے کہ اللہ کی لکھی ہوئی تختی مخلوق کی تختیوں کے مشابہ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب مخلوق کی لکھی ہوئی کتاب کے مانند نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ کی ذات اور صفات مخلوق کی ذات اور صفات کے مشابہ نہیں ہے، بلکہ اگر تُو اس کو سمجھنے کے لیے کوئی مثال چاہتا ہے تو جان لینا چاہیے کہ طے شدہ تمام امور کا لوحِ محفوظ میں لکھا جانا ایسا ہی ہے، جیسا قرآن حکیم کے کلمات اور حروف حافظِ قرآن کے دماغ اور دل میں لکھے ہوئے محفوظ ہوتے ہیں، حتیٰ کہ حافظ جب قرآن پڑھتا ہے تو اپنے دماغ میں لکھی ہوئی سطروں کو دیکھ کر پڑھتا ہے۔ اگر تم حافظ کے دماغ اور دل کے حصوں کی تفتیش کرو تو تم اُس دماغ میں لکھے ہوئے حروف کو نہیں دیکھ سکتے۔ اسی طریقے پر مناسب ہے کہ یہ سمجھا جائے کہ لوحِ محفوظ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے طے کردہ تمام امور اور فیصلے لکھے ہوئے ہیں۔'' (امام غزالی کی بات مکمل ہوئی۔)

پھر بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ انسانی نفس اپنے اچھے یا بُرے عمل کو یاد کرتا ہے اور اس سے متعلق جزا یا سزا کی توقع رکھتا ہے۔ یہ بھی اُس کے نفس میں عمل کے محفوظ ہونے کا ایک پہلو ہے۔ (باب لُصوق الأعمال بالنّفس و احصائها عليها، المبحث الأوّل)

www.rahimia.org

عظمت کے مینار

وسیم اعجاز، کراچی

حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ

حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ اور مولانا مملوک علی نانوتویؒ کے شاگرد، دہلی کالج کے فاضل، جلیل القدر عالم دین، مایۂ ناز محدث، بلند پایہ نام ور مدرّس، ممتاز مصنف، محقق، حاشیہ نگار، مترجم اور مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور کے ابتدائی 20 سال تک صدر مدرّس مولانا محمد مظہر نانوتویؒ 1821ء کو نانوتہ ضلع سہارن پور میں پیدا ہوئے۔ نسباً فاروقی النسل تھے۔ انھوں نے قرآنِ حکیم کی تعلیم اپنے والدِ گرامی حافظ لطف اللہؒ سے حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد 1835ء میں دہلی کالج میں داخل ہوئے۔

دہلی کالج کے انگریز افسران کی طلبا پر گہری نظر ہوتی تھی۔ اگر کوئی طالب علم تعلیم میں ممتاز ہوتا تو اسے فراغت کے بعد کسی کالج میں تعینات کر دیتے تھے۔ مولانا محمد مظہرؒ بھی جب 1844ء میں تعلیم سے فارغ ہوئے تو انھیں بنارس کے سرکاری کالج میں شعبۂ عربی کا صدر اور مدرّس مقرر کیا گیا۔ 1847ء کو اپنے بھائی مولانا محمد احسن نانوتویؒ کو اپنی جگہ مقرر کر کے حج کی غرض سے تشریف لے گئے۔ 1850ء میں مفتی صدرالدین آزردہؒ کے دفتر میں ملازمت اختیار کی۔ مولاناؒ کی آخری سرکاری ملازمت آگرہ کالج میں مدرّسِ اوّل کی حیثیت سے تھی، جو کہ 1857ء تک جاری رہی۔

1857ء میں انگریزوں کے خلاف مسلح جدوجہد کی آواز بلند ہوئی جو دیکھتے ہی دیکھتے پورے ملک میں گونج گئی۔ ہر جگہ ہندوستانیوں، خصوصاً علما کے ایک بڑے طبقے نے اس کو اپنے دل کی آواز سمجھ کر اپنی اپنی سرکاری ملازمتیں قربان کر دیں۔ خدمت و منصب اور عہدے چھوڑ کر اسی جانب متوجہ ہو گئے تھے۔ اسی فہرست میں مولانا محمد مظہر نانوتویؒ بھی شامل تھے۔ ولی اللّٰہی تحریک کے اہم اراکین نے جب تھانہ بھون میں بیٹھ کر ایک اہم ترین اجلاس میں اس بات کا فیصلہ کیا کہ ہندوستان کی آزادی کے لیے عسکری بنیادوں پر جدوجہد کی ضرورت ہے تو حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی امامت میں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا فیض الحسن سہارن پوریؒ، مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ، حافظ ضامن شہیدؒ اور دیگر اکابرین کے ساتھ ساتھ مولانا محمد مظہر نانوتویؒ اور ان کے بھائی مولانا محمد منیر نانوتویؒ نے اپنے تیسرے بھائی مولانا محمد احسن نانوتویؒ کی شدید مخالفت کے باوجود بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

شاملی کے میدان میں ان انقلابی رہنماؤں نے انگریزوں کے مقابلے میں شان دار کامیابیاں حاصل کیں۔ مولانا محمد مظہر نانوتویؒ نے اس اہم جدوجہد میں مردانہ وار حصہ لیا۔ اس معرکے کے دوران مولانا موصوفؒ کو ٹخنے پر گولی لگی اور شدید زخمی ہو گئے۔ اس زخم کی وجہ سے پوری زندگی پاؤں میں لنگ ہو گیا تھا اور چلنے میں زحمت ہوتی تھی۔ شاملی اور تھانہ بھون میں مجاہدین نے کامیابیاں حاصل کیں، لیکن دہلی کی مرکزی حیثیت ختم ہو جانے اور انگریزوں کے قبضے میں جانے کے نتیجے میں شاملی کا قبضہ بھی ختم ہو گیا۔ انگریزوں نے شاملی کے میدان میں جدوجہد کرنے والوں کی بھی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ انگریزوں کے تعاقب کے دوران مولانا محمد مظہر نانوتویؒ نے ایک جنگل میں چھپ کر پناہ لی۔ انھوں نے اپنے علاقے کو خیرباد کہا اور سخت مصیبت اٹھاتے رہے۔

1857ء کے بعد جب حالات کچھ بہتر ہوئے تو مولاناؒ نے مطبع منشی نول کشور میں ملازمت اختیار کی۔ 1866ء میں جب سہارن پور میں مدرسہ مظاہر العلوم کی بنیاد رکھی گئی تو اس کے بعد ضرورت تھی کہ قابل اور اہل اساتذہ کا تقرر کیا جائے۔ اس سلسلے میں مولانا محمد مظہرؒ کو فروری 1867ء میں بہ طور مدرّس مقرر کیا گیا اور مدرّسِ اوّل قرار پائے۔ مدرسے کے معاملات کی تمام ذمہ داری، کتابوں کی تدریس، مدرسے کا انتظام، طلبا کی فکر، چندہ کی کوشش، غرض یہ کہ مدرسے کے جملہ امور انتہائی انہماک سے سرانجام دیے۔

مدرسہ مظاہر العلوم کے تمام تر انتظامی معاملات میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی رہنمائی شاملِ حال رہتی تھی۔ انھوں نے ہمیشہ مولانا محمد مظہرؒ کے کام کے انداز کو سراہا اور مثال بنا کر پیش فرماتے تھے۔ مدرسے کے مالی معاملات میں انھوں نے ہمیشہ بڑی احتیاط سے کام لیا۔ اور تعلیمی میدان میں ایسے اہل احباب تیار ہوئے، جنھوں نے مستقبل میں قومی ذمہ داریوں کو اپنا فرض سمجھ کر نبھایا۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے بہ قول مولانا محمد مظہر نانوتویؒ کی ذات ''یکتائے زمانہ'' تھی۔

مولانا محمد مظہر نانوتویؒ اگرچہ عمر میں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بڑے تھے، لیکن حضرت گنگوہیؒ کے کمالات کی وجہ سے ان کے بہت معترف تھے۔ اور ان سے اپنے بزرگوں جیسا معاملہ فرماتے تھے۔ مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ نے مولانا محمد مظہرؒ کو حضرت گنگوہیؒ کے خلفا کی فہرست میں شامل کیا ہے۔ یوں تو بے شمار طلبا نے ان سے استفادہ کیا، جن میں خاص طور پر مولانا خلیل احمد انبیٹھویؒ، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ، مولانا تجمل حسین دسنویؒ، علامہ شبلی نعمانیؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا نور محمد لدھیانویؒ، سیّد جماعت علی شاہ علی پوریؒ، پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

مولانا محمد مظہر نانوتویؒ کے دور میں مدرسہ مظاہر العلوم نے بہت ترقی کی۔ مولانا موصوفؒ نے بھی انتہائی جاں فشانی سے کام کیا۔ اس دوران ان کو گردے کی تکلیف رہتی تھی، لیکن کبھی کسی سے شکایت نہ کی اور اپنی اس تکلیف کو فرائض منصبی کے راستے کی رکاوٹ نہ بننے دیا۔ یہی عارضہ مولاناؒ کے لیے جان لیوا ثابت ہوا اور 3/اکتوبر بروز ہفتہ 1885ء کو جانِ جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ ان کی تدفین سہارن پور میں مدرسے کے قریب واقع قبرستان حاجی شاہ کمال میں کی گئی۔ مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور کی روداد میں لکھا ہے کہ: ''اس صدمہ جانکاہ سے ہندوستان کے اہل اسلام کو عموماً اور اس مدرسے کے خیرخواہان کو خصوصاً جس قدر رنج و غم ہو، وہ کم ہے۔ ایسے عالم باعمل اور فاضل اکمل جملہ مروّجہ میں فائق اور ترویج دینیات میں شائق کا اس جہاں سے اٹھ جانا پس ماندگان کی نہایت کم نصیبی ہے۔'' اللہ تعالیٰ ہمیں اکابرین کا فیض نصیب فرمائے۔ (آمین!)

www.rahimia.org

معاشیات و اقتصاد

اسلامی بینکاری اور علمائے کرام سے دردمندانہ گزارشات

تحریر: ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی

یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ پاکستان کے بااثر، مال دار اور فیصلہ ساز طبقے نہیں چاہتے کہ پاکستان میں اسلامی نظامِ معیشت و بینکاری شریعت کی روح کے مطابق نافذ ہو اور معیشت سے سود کا خاتمہ ہو۔ کیوں کہ اس سے ان کے ناجائز مفادات پر کاری ضرب پڑے گی، مگر ملک کے کروڑوں افراد کی قسمت بہرحال بدل جائے گی۔

رِبا (سود) کا مقدمہ گزشتہ پچیس برسوں سے زیرِ سماعت ہے، جہاں شرعی عدالتوں میں عالم جج بھی موجود رہے ہیں۔ سپریم کورٹ کی شریعت اپیلٹ بینچ نے 23/دسمبر 1999ء کو رِبا کے مقدمے میں ایک تاریخ ساز فیصلہ دیا تھا، جس پر عمل درآمد سے اسلامی نظامِ بینکاری کے نفاذ کی طرف تیزی سے پیش قدمی ہوسکتی تھی۔ ہم نے بھی اس مقدمے میں سپریم کورٹ کی معاونت کی تھی۔ اس فیصلے کو پہلا جھٹکا اس وقت لگا جب سپریم کورٹ نے جون 2001ء میں یہ فیصلہ دیا کہ دسمبر 1999ء میں دیے گئے فیصلے پر عمل درآمد کی مدت جون 2001ء سے بڑھا کر 30/جون 2002ء ہوگی، لیکن توسیع کا فیصلہ دینے سے پہلے حکومت سے یہ تحریری یقین دہانی حاصل نہیں کی کہ وہ دسمبر 1999ء کے فیصلے کو تسلیم کرتے ہیں اور جون 2002ء تک اس فیصلے پر عمل درآمد کرنے کے پابند ہیں، بلکہ فیصلے میں یہ لکھا کہ ہمیں حکومت کے خلوص پر شبہ نہیں ہے، حال آں کہ ہم لکھ چکے تھے کہ حکومت نے فیصلہ کرلیا ہے کہ اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

پھر سپریم کورٹ نے، جس میں دو عالم جج بھی شامل تھے، حیرت انگیز تیز رفتاری سے 30/جون 2002ء کی مدت ختم ہونے سے چند روز پہلے سُود کو حرام قرار دینے کے فیصلے کو ہی منسوخ کر کے مقدمہ از سرِ نو سماعت کے لیے دوبارہ وفاقی شرعی عدالت کو بھیج دیا، جو پہلے ہی 14/نومبر 1991ء کو سُود حرام قرار دے چکی تھی۔ اب 25 برس کا عرصہ گزرنے کے باوجود شرعی عدالتیں یہ حتمی فیصلہ نہیں دے سکیں کہ موجودہ بینکنگ سُود اسلام میں حرام ہے یا نہیں؟ وفاقی شرعی عدالت جس میں عالم جج بھی موجود ہوتے ہیں، نے 14 برس سے زائد کا عرصہ گزرنے کے باوجود فیصلہ ہی نہیں دیا۔

کچھ عرصہ قبل اسٹیٹ بینک نے موجودہ حکومت کے دور میں شرعی عدالت میں یہ مؤقف اختیار کیا تھا کہ اسلام میں موجودہ بینکنگ سُود حرام نہیں ہے، حال آں کہ اسٹیٹ بینک میں ایک ڈپٹی گورنر برائے اسلامک بینکنگ تعینات ہیں اور اسٹیٹ بینک کے شریعہ بورڈ کے چیئرمین ایک ممتاز ترین عالم دین ہیں۔

ایک اَور انتہائی تشویش ناک بات یہ ہے کہ 4/ستمبر 2001ء کو ایک اعلیٰ سطح کے اجلاس میں یہ قطعی غیر اسلامی فیصلہ کیا گیا تھا کہ سپریم کورٹ کے اس فیصلے پر عمل درآمد نہیں کیا جائے گا، جس کے مطابق 30/جون 2002ء تک اسلامی بینکاری مکمل طور سے نافذ ہونا ہے، بلکہ بینکاری کا متوازی نظام نافذ کیا جائے گا۔ یعنی ملک میں سُودی بینک اور روایتی بینک غیر معینہ مدت تک ساتھ ساتھ کام کرتے رہیں گے۔ چناں چہ سودی نظام کو دوام مل جائے گا۔ اس بات کے مستند دستاویزی ثبوت موجود ہیں کہ اس غیر اسلامی اور سودی نظام کو دوام بخشنے والے اس فیصلے میں اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین جو عالم دین بھی ہیں، اس کونسل کے کچھ ممبران، ایک ممتاز عالم دین جو سپریم کورٹ کی شریعت اپیلٹ بینچ میں عالم جج کی حیثیت سے خدمات انجام دے چکے تھے اور بعد میں اسٹیٹ بینک کے شریعہ بورڈ کے چیئرمین بھی رہے اور اسٹیٹ بینک کے سابق اور اس وقت کے گورنر بھی شامل تھے۔

یہ بات بھی نوٹ کرنا اہم ہے کہ سپریم کورٹ کے عالم جج کی حیثیت سے اسلامی بینکاری کے نفاذ کے لیے صرف جون 2002ء تک مہلت دینے والے محترم عالم دین جو اسلامی بینکاری کے مسائل کو سمجھتے ہیں، اب 2017ء میں بھی اسٹیٹ بینک کے شریعہ بورڈ کے چیئرمین کی حیثیت سے غیر اسلامی متوازی نظامِ بینکاری کے غیر معینہ مدت تک جاری رہنے کے عمل میں فیصلہ کن کردار ادا کر رہے ہیں۔ جس سے سودی نظام کو دوام مل رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں توفیق دی کہ پاکستان میں سب سے پہلے ہم نے کہا تھا کہ:

(الف) پاکستان نے متوازی بینکاری کا جو نظام نافذ کیا ہے، وہ غیر اسلامی ہے۔

(ب) اسلامی بینک بھی سودی بینکوں کی طرح اپنے کھاتے داروں کا استحصال کر رہے ہیں اور اس متوازی نظام کی موجودگی میں اگر کبھی چاہیں بھی تو اس استحصال کو ختم نہیں کرسکیں گے۔

(ج) ان فیصلوں سے جن میں علما بھی شامل رہے ہیں، پاکستان میں سودی نظام کو دوام مل گیا۔

(د) پاکستان میں کام کرنے والے اسلامی بینکوں کو اسلامی بینک کہا ہی نہیں جاسکتا۔

گزشتہ 10 برسوں میں ان حقائق کو وقتاً فوقتاً ہم مروّجہ اسلامی بینکاری کی خامیاں بتلاتے ہوئے اصلاحی تجاویز بھی دیتے رہے ہیں۔ علما اور ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ اسلامی بینکاری کا نظام نفع و نقصان میں شرکت کی بنیاد پر استوار ہوگا۔ بدقسمتی سے پاکستان میں معیشت دستاویزی نہیں ہے۔ کالے دھن کا حجم بہت زیادہ ہے۔ کرپشن عام ہے۔ ٹیکسوں کا نظام غیر منصفانہ ہے اور افراد اور ادارے عموماً اپنا صحیح منافع ظاہر نہیں کرتے۔ چناں چہ فیصلہ کیا گیا کہ عبوری مدت میں اور مجبوری کی حالت میں ''مرابحہ'' و ''اجارہ'' وغیرہ کا طریقہ استعمال کیا جائے اور ''مشارکہ'' کے ذریعے سرمائے کی فراہمی بڑھائی جائے، لیکن اس اجازت کا بڑے پیمانے پر غلط استعمال ہوا اور اب 'عبوری' کا لفظ حذف کر دیا گیا ہے۔ (جس کی اساس پر یہ شروع کیا گیا تھا۔)

بدقسمتی سے مندرجہ بالا معاملات میں بہتری کے لیے اصلاحی اقدامات اٹھانے کے بجائے وفاقی شرعی عدالت کی جانب سے سُود کے مقدمے کا 14 برس تک فیصلہ نہ آنے کی وجہ سے جو وقت ملا، اس میں ملکی معیشت، سودی اور اسلامی بینکاری کو جس طرح چلایا

www.rahimia.org

گیا، ملک کے داخلی قرضوں کو جس تیز رفتاری سے بڑھایا گیا اور ٹیکسوں کے نظام کو اتنا بگاڑا گیا کہ ملک میں اسلامی بینکاری کے لیے ماحول مزید معاندانہ ہوگیا۔ وزارتِ خزانہ بھی اس بات سے اتفاق کرے گی کہ اس صدی کے آخر تک بھی پاکستانی معیشت سے سود کا خاتمہ ہوتا نظر نہیں آرہا۔ یہ امر تشویش ناک ہے کہ گزشتہ برسوں میں اسلامی بینک بھی بڑے پیمانے پر سودی کاروبار میں ملوّث ہوگئے ہیں۔ چند حقائق یہ ہیں:

1۔ ہم نے 22/اکتوبر 2015ء کے اپنے کالم میں لکھا تھا کہ مولانا تقی عثمانی کی سربراہی میں صکوک (Cheques) کی بیع مؤجل پر مبنی ایک نئی پروڈکٹ کی منظوری دی، جس کے تحت 200 ارب روپے سے زائد رقوم پر اسلامی ملکوں کو ملنے والی آمدنی سودی آمدنی تھی۔ چناں چہ اسلامی بینکوں نے اس آمدنی میں سے جو منافع اپنے کھاتے داروں کو دیا تھا، وہ سود ہی تھا۔

2۔ بیش تر اسلامی بینکوں نے 'رواں مشارکہ' کے نام سے ایک نئی پروڈکٹ متعارف کرائی ہے، جس میں بلاشبہ سُود کی آمیزش ہے، مگر علما خاموش ہیں۔

3۔ بینک اسلامی کے 2015ء کے آڈٹ شدہ سالانہ گوشوارے میں کہا گیا ہے کہ انھوں نے ایک سودی بینک کو خرید کر اس کا انتظام سنبھال لیا ہے اور سودی بینک کو اپنے اندر ضم کرنے سے جو غیر معمولی حالات پیدا ہوئے ہیں، ان کی وجہ سے ''بینک اسلامی'' کے شریعہ بورڈ نے اجازت دی ہے کہ 2 ماہ تک اس سودی بینک کی آمدنی و اخراجات کو بینک اسلامی کی کتابوں میں 'قرطینہ'' میں رکھیں۔ شریعہ بورڈ کے اس غیر اسلامی فیصلے پر اسٹیٹ بینک کا شریعہ بورڈ اور علما و مفتی خاموش ہیں۔ ''بینک اسلامی'' کے شریعہ بورڈ کے اس غیر اسلامی فیصلے کی تفصیلات کا تو یہ کالم متحمل نہیں ہوسکتا۔ بینک اسلامی ایک منافع بخش بینک تھا اور اس نے ایک سودی بینک صرف اس لیے خریدا کہ آنے والے برسوں میں اس کا کاروبار اور منافع یقیناً بڑھے گا۔ اب خدشہ یہ ہے کہ سود سے اجتناب کرنے والے تجارتی و مالیاتی ادارے اس مثال کو سامنے رکھتے ہوئے اپنا منافع بڑھانے کے لیے کم از کم ایک مرتبہ سودی بنیاد پر قرضہ لے سکتے ہیں۔

ہم دعا گو ہیں کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں قابلِ احترام علما و مفتیانِ کرام اور ماہرین اس انتہائی اہم معاملے پر اپنی آرا اور فتویٰ دے کر اپنی دینی ذمہ داری پوری کریں گے۔ (ماخوذ)

بقیہ: قومی معیشت اس کے بدلے میں نظام اپنے شہری سے کہتا ہے کہ بچوں کی تعلیم اور صحت کا ذمہ دار بھی وہ خود ہے۔ کیوں کہ سرکاری سکول اور ہسپتالوں کی حالت زار ڈھکی چھپی نہیں۔ اپنے خاندان کی حفاظت کے نظام کا ذمہ دار بھی وہ خود ہے اور دیگر عزیز و اقارب میں اگر کوئی آفت آجائے تو وہ اُن کی انشورنس پالیسی بھی ہے۔ ایسی معاشی حالت میں ہمارے معاشرے کی غالب اکثریت مبتلا ہے۔ اس کے بعد بھی انھیں یہ کہا جائے کہ وہ ذمہ دار شہری نہیں ہیں اور ٹیکس ادا نہیں کرتے تو یہ جھوٹ اور بہتان قرار پائے گا۔

نتیجۂ فکر — حافظ محمد طاہر، لاہور

'ہیں پریشاں آج خود عبدالغفور'

(26/ مارچ 2006ء کو شب 9:30 بجے ایک TV چینل پر گفتگو کرتے ہوئے پروفیسر عبدالغفور مرحوم نے اعتراف کیا کہ افغان جنگ میں امریکا نے ہمیں روس کے خلاف استعمال کیا اور اس پر وہ پشیمانی کا اظہار کر رہے تھے کہ آج وہی امریکا ہمارے پیچھے پڑ گیا ہے۔)

وہ جہادِ امریکا تھا روس سے
جس کا ایندھن ہم بنے تھے ناصبور
کیوں بنے ہم امریکی آلۂ کار
ہیں پریشاں آج خود عبدالغفور
جھونک ڈالے نوجواں اس آگ میں
اہل حق کے نام پر با مکر و زُور
خود وفاقی عالموں کو دیکھیے
بش کے مہمان بن گئے حضرت حضور
زہد و تقویٰ کا بہ ظاہر غلغلہ
حُبِّ دنیا فی قلوبٍ وّ الشّرور
سیم و زر پر بک گئے سب رہنما
اہل فتویٰ ہوگئے کچھ بے شعور
درہم و دینار ڈالر پَونڈ سے
حُبِّ دنیا کا کرشمہ ہے فتور
مذہبی فرقوں کی شدت الاماں
جس نے ملت کو کیا مذہب سے دور
اہل منبر کی روش سے خوش ہوئے
بولہب ، ہامان اور بلعم بعور

بقیہ: عالمی منظرنامہ اگلا کام پھر میڈیا کے ذمے ہوتا ہے۔ سامراج نے دیوہیکل میڈیا گروپ پال رکھے ہیں، جنھیں ان کی مانگ سے کئی گنا اضافی رقوم فراہم کی جاتی ہیں۔ وہ مسئلے کو جادو کی طرح اٹھاتے ہیں۔ اخبارات، رسائل، الیکٹرانک میڈیا جو آج کا بڑا مؤثر اور طاقت ور ہتھیار ہے۔ وہ ٹاک شو منعقد کروا کر عوام کی ذہن سازی کرتا ہے، جو جلتی پر تیل کا کام کرتے ہیں۔ پڑھے لکھے طبقے کا ایک المیہ یہ بھی ہوتا ہے جس مسئلے کو اقوامِ متحدہ اور اس کے ماتحت ادارے اُچھالیں، وہ اس کی دلچسپی کا خاص موضوع بن جاتا ہے۔ حال آں کہ باشعور طبقے کی ذمہ داری یہ بنتی ہے کہ وہ حالات و واقعات کا گہری نظر سے مطالعہ کرے۔ محض عام آدمی کی طرح جذباتی ہونے کے بجائے مسئلے کی تہہ تک پہنچے۔ پھر اپنے لیے کردار کا تعین کرے۔

www.rahimia.org

Monthly RAHIMIA Lahore CPL No. 59

نظم سیّد تابش زیدی، دوبئی

حضرت شاہ سعید احمدؒ کا چہرہ یاد آتا ہے

حضرت شاہ سعیداحمدؒ کا چہرہ یاد آتا ہے
وہ صحبت یاد آتی ہے ، وہ سایہ یاد آتا ہے

امن کا ، پیار کا ، رحمت کا جذبہ یاد آتا ہے
ذہن میں جب سعیداحمدؒ کا نقشہ یاد آتا ہے

سراپا نور تھے ، رحمت کا پیکر تھے سعیداحمدؒ
وہ محفل یاد آتی ہے ، وہ کمرہ یاد آتا ہے

محبت ، پیار اور شفقت سے تکنا یاد آتا ہے
وہ تھپڑ یاد آتا ہے ، وہ بوسہ یاد آتا ہے

وہ بیعت جو مٹا دے دل سے سارے بت گناہوں کے
وہ توبہ یاد آتی ہے ، وہ گریہ یاد آتا ہے

ارے آدم کے بچو! عدل اور انسانیت سیکھو
وہ وعظ یاد آتا ہے ، نظریہ یاد آتا ہے

خدا کی خلق سے اُلفت کا نظریہ یاد آتا ہے
نظر میں جب سعیداحمدؒ کا جلوہ یاد آتا ہے

چلا جاتا ہوں حضرت آزاد رائے پوری کی محفل میں
وصالِ شاہ سعیداحمدؒ کو جب جب دل ستاتا ہے

دریچے سے مجھے حضرتؒ کی نظریں دیکھتی ہوں گی
انھیں قدموں میں میرا دل بڑی تسکین پاتا ہے

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از حضرت مفتی عبدالقدیر شعبۂ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال ووٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب سیاست میں نمائندوں کے انتخاب کے لیے ووٹ کی بہت اہمیت ہے۔ ووٹ کے ذریعے سے دراصل کوئی فرد ملکی نظم ونسق چلانے سے متعلق اپنی آزادانہ رائے کا اظہار کرتا ہے اور اجتماعی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اپنے کسی نمائندے کا انتخاب کرتا ہے۔ گویا وہ اپنے لیے اجتماعی امور سرانجام دینے کا ایک وکیل اور نمائندہ مقرر کررہا ہے۔ اب اگر کسی نااہل کو اپنی اور قوم کی نمائندگی کے لیے ووٹ دے گا تو پوری قوم کے حقوق پامال کرنے کا گناہ بھی اس کی گردن پر ہوگا۔ صحیح حدیث کے مفہوم کے مطابق: ''نااہل فرد ملک وقوم کے لیے کسی قیامت سے کم نہیں ہوتا۔''

سوال کیا اس ظالمانہ نظام میں اپنا ووٹ ڈالنا ضروری ہے؟

جواب ملکی نظم ونسق کے حوالے سے اپنی آزادانہ رائے کا اظہار ہونا چاہیے۔ اس کے لیے مروّجہ طریقۂ کار اپنانا کوئی ضروری نہیں ہے، بلکہ کسی اَور طریقے سے بھی اپنی رائے کا اظہار کیا جاسکتا ہے۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ آپ جن افراد کو منتخب کرنے کے لیے ووٹ دیں، وہ قومی ذمہ داریوں کو اٹھانے کی مکمل اہلیت رکھتے ہوں۔ وہ امانت دار اور مخلص ہوں۔ چوں کہ اس ظالمانہ سرمایہ دارانہ نظام میں باصلاحیت، دیانت دار اور مخلص افراد کا منتخب ہوکر ادا کرنا ناممکن بنا دیا گیا ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ پہلے قوم میں سیاسی، سماجی اور معاشی حوالے سے شعور بیدار کیا جائے۔ صحیح فکر وعمل پر سیاسی جماعتوں کی تشکیل ہو۔ الیکشن کمیشن کا ادارہ ہر طرح کے جبر سے آزاد اور خودمختار بنایا جائے۔ اس پر سرمائے، جاگیر اور حکمران طبقے کے آلۂ کار علمائے سُو اور مذہبی طبقے کے اثرات نہ ہوں۔

صحیح عوامی نمائندے منتخب کرنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اجتماعی نظام کی تشکیل میں کسی ایک طبقے کی بالادستی قائم نہ ہوسکے، بلکہ متناسب نمائندگی کے تحت قوم کے تمام محنت کش طبقوں کی نمائندگی بھی ملکی آبادی کی تعداد کے لحاظ سے پورے طور پر موجود ہو۔ اسی طرح جب تک اپنے قیمتی ووٹوں کے ذریعے رائے دہندگان کی دی گئی آرا کو کوئی تحفظ حاصل نہ ہو، اس وقت تک نمائندگی کا حق صحیح طور پر ادا نہیں کیا جاسکتا۔ آج کل الیکشن کا عمل سرمائے اور جاگیر کے زیر اثر حقیقی قومی جمہوریت کے قیام کا سبب نہیں بنتا، بلکہ فریب اور دھوکا دہی کے ذریعے مخصوص طبقے کے مفادات اور بالادستی کا ذریعہ بن چکا ہے۔ اس لیے اس ظالمانہ نظام کو بدلنے کے لیے اپنی قومی اور جمہوری رائے کا اظہار انقلابی اجتماعی طاقت کے ساتھ کرنا ضروری ہے۔

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع وناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔